ڈاکٹر شبیر احمد قادری
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو
گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

اُردو تذکروں میں ذکرِ سودا

Dr. Shabbir Ahmad Qadri
Assistant Professor, Department of Urdu,
Govt. College University Faisalabad

Views on Soudaa in various Tazkara writings

"The classical poets of Urdu language have played a definite role in shaping the contours of urdu poetry. They have introduced not only new genres but also brought about new aesthetic dimensions in the arena of Urdu poetry. In his context the era of Mir and Soda is noted for its contribution. The services of Mirza Muhammad Rafi Soda are splendid and unique. He has introduced new heights in Urdu Qasida similarly his contribution for Urdu Ghazal, Masnavi, Rubai and Hijiviyat is also remarakable. Critcial views on the personality and artistic and creative attributes of Soda have been profusely expressed in the earlier Urdu Tazkara writers. This article examiners the views on Soda of various Tazkara writings from Nikat-ul-shoara to Gul-e-Ra'na. Most of the tazkara writers have adoved the artistic talent and creative adeptness of Soda. Some writers have also criticized Soda by pointing and his inconguities and flams. The writer attempts to explore and analyze both points of view."

اُردو شاعری کی مانگ میں جن اہم سخن وروں نے سیندور بھرا، ان میں سے ایک اہم نام میرزا محمد رفیع سوداؔ کا بھی ہے۔ میرؔ و سوداؔ نے اُردو شاعری کو ایہام گوئی کی دلدل سے نکال کر ایک بامعنی سرگرمی کے طور پر متعارف کرایا۔ ان سے پہلے حاتم، ولی اور مرزا مظہر جانِ جاناں بعض رکاوٹوں کو دُور کر کے صاف گوئی کے لیے رستہ ہموار کرنا شروع کر چکے تھے مگر یہ سوداؔ ہی تھے جنھوں نے اپنی شاندار شخصیت اور جان دار کلام کے ذریعے اُردو شاعری کو نئی بلندیوں سے متعارف کرایا۔ سوداؔ نے غزل، قصیدہ اور مثنوی کے علاوہ بعض اصنافِ سخن کو پہلی بار گدگدایا۔ اُردو قصیدہ میں سوداؔ نے جن اِمکانات کو تلاش کیا ان کے بعد ان اِمکانات میں کوئی شاعر اضافہ نہیں کر پایا۔ سوداؔ جداگانہ اسلوب کے شاعر تھے جس کی بڑائی کا اعتراف اُن کے ہم عصر میر تقی میر نے بھی کیا ہے۔ جن کی نظر میں

کسی اور کی شاعری ذرا کم ہی جچتی تھی۔ مابعد تذکرہ نگار بھی ان کی شان میں رطب اللسان دکھائی دیتے ہیں۔ میر تقی میر نے اپنے سب سے زیادہ اہم ہم عصر شاعر میرزا محمد رفیع سوداؔ کا تعارف جن الفاظ میں کرایا ہے محسوس ہوتا ہے گویا تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے:

''جوانیست خوش خلق، خوش خوئے، گرم جوش، یار باش، شگفتہ روئے۔''[۱]

سوداؔ کی شاعری کے محاسن بیان کرتے ہوئے میرؔ رقم طراز ہیں:

''غزل وقصیدہ ومثنوی وقطعہ ومخمس و رُباعی ہمہ راخوب می گوید، سرآمد شعرائے ہندی اوست، بسیار خوش گو است۔ بلاگرداں ہر شعرش طرف لطف رستہ رستہ، دَر چمن بندی الفاظش گل معنی دستہ دستہ، ہر مصرع برجستہ اش را سرو آزاد بندہ، پیش فکرش عالیش طبع عالی شرمندہ، شاعر ریختہ، چنانچہ ملک الشعرائی ریختہ اُورا شاید، قصیدہ در ہجواست گفتہ بہ تضحیک روزگار، دُوراز حد مقدور دَر اُوصنعت ہابکار بردہ۔''[۲]

یہاں میرؔ نے سوداؔ کی اس ہجو کا مطلع نقل کیا ہے:

ہے چرخ جب سے ابلقِ ایام پر سوار
رکھتا نہیں ہے دست عناں کا بیک قرار

سوداؔ کے بارے میں اپنی رائے کے آخر میں میرؔ نے انھیں ''ازمغتنماتِ روزگار'' قرار دیا ہے۔ میرؔ نے سوداؔ کے اٹھانوے غزلیہ اشعار اور ایک رُباعی (حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی منقبت کے ذیل میں) نقل کی ہے۔ میر تقی میر کی سوداؔ کے بارے میں رائے اس تناظر میں بے حد اہم ہے کہ انھوں نے اپنی تمام تر بصیرت کو بروئے کار لاتے ہوئے سوداؔ کی شخصیت اور کمالِ فن کا کُھل کر اعتراف کیا ہے۔ ''نکات الشعرا'' میں میرؔ نے جو تنقیدی انداز اپنایا ہے وہ اُردو شاعری پر تنقید کا اوّلین نمونہ ہے۔ جن شعرا کے فکر وفن میں کہیں کوئی جھول محسوس ہوا، میرؔ بلا جھجک اس پر تنقید کرتے ہیں جس پر مابعد تذکرہ نگاروں نے ردِّعمل بھی ظاہر کیا مگر میرؔ کو جو بات کہنا تھی برملا کہہ گئے۔۔۔ اپنے معاصرین میں سے وہ سوداؔ کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ میں یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ سوداؔ کی شخصیت اور فکر وفن پر میر تقی میرؔ کی مذکورہ رائے سب سے پہلی اور اہم ترین رائے ہے جس سے مؤرخینِ ادب، محققین اور ناقدین نے خوب استفادہ کیا۔

''تذکرہ مخزنِ نکات'' (قیام الدین قائم چاندپوری) میں سوداؔ کو تیسرے طبقہ میں شامل کیا گیا ہے۔ تذکرہ نگار، سوداؔ کے شاگرد تھے۔ انھوں نے اپنے اُستادِ گرامی کی شان میں ایک قصیدہ بھی لکھا تھا جو ''کلیاتِ قائم''[۳] میں شامل ہے۔ عندلیبِ خوش نغمۂ گلشنِ روزگار، گلِ سرسبدِ محافلِ اشعار، یگانۂ کشورِ افضال، نقادۂ دودمانِ کمال کے القاب سے یاد کرتے ہوئے قائم لکھتے ہیں:

''دریچۂ نزہت گاہِ معنی بہ روی وی کشادہ است و دومصرع کلکِ معجز طرازش شہرت را آمادہ اشعارِ رنگیں وقصائد متین دارد۔ چنانچہ قصیدۂ کوہ دو پیکر ورزمیۂ بہارو بحرِ بیکران وتضحیکِ روزگار وغیرہ از تصانیفِ اوست۔''[۴]

سیّد فتح علی حسینی گردیزی ''تذکرہ ریختہ گویاں'' میں سوداؔ کو نکتہ داں بے ہمتا قرار دیتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ میرزا محمد رفیع سوداؔ مردے است سپاہی پیشہ و درست اندیشہ حقا کہ رُتبۂ شعرش عالی است وسخن دردمندانہ اش حالی، اِمروز درمیدان گفتگو گوئے

سبقت اَز اقران و اَمثال خودمی رباید و داد معنی یابی و رنگیں خیالی می دید۔''[۵]

اس رائے کے بعد تذکرہ نگار موصوف نے سوداؔ کی غزلوں سے ۱۵۹/اشعار بطورِ نمونہ نذرِ قارئین کیے ہیں۔ یہ بات اس اَمر کی نشان دہی کرتی ہے کہ گردیزیؔ سوداؔ کی شاعری کے مداح تھے۔ ابتدائی چند اشعار یہاں درج کیے جاتے ہیں:

مقدور نہیں اس کی تجلّی کے بیاں کا
جیوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا
پردے کو تعین کے درِ دِل سے اُٹھا دے
کُھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا
سوداؔ جو کبھی گوش سے ہمت کے سُنے تُو
مضمون یہی ہے جرسِ دِل کی فُغاں کا (تذکرہ ریختہ گویاں، ص ۶۷)

میرحسنؔ دہلوی نے ''تذکرۂ شعرائے اُردو'' میں میرزا محمد رفیع سوداؔ کو اُستادِ اُستادانِ کامل و قادر، سرآمدِ شعرائے زماں قرار دیتے ہوئے بتایا ہے:

''میدانِ نزاکتِ بیاں فکرش چوں مہرِگرم تازست، دورعرصۂ لطافت وقدرت و متانتِ سخن بازوئے فطرتِ اوچوں تیراست اندازست۔ فلک از علوِ رُتبۂ فکرش انگشتِ ہلال بہ دندانِ پرویں گرفتہ، و خورشید از سمومنزلت خاکِ قدمِ طبعش رابہ جارُوبِ مژگاں رُفتہ، اُستادِشعرائے عصرومقتدائے بلغائے دہر، میدانِ بیانِ اُو وسیع وطرزِمعانی او بدیع، برسپاہِ دانش شاہ و برآسمانِ بینش ماہ''[۶]

آگے چل کر میرحسن نے اُن اصناف کے اوصاف کا ذِکر کیا ہے جو سوداؔ کے زورِقلم کی بدولت، اہلِ ادب کی توجہ کا مرکز قرار پائیں۔ میرحسن کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

درقصیدہ وہجو ید بیضا دارد۔ قصائد عذب و دِل آویز، و بیانِ ہجو بلند، نظمش طرب انگیزست''

میرحسن اپنے ممدوح کے لیے ''مردے ست از مغتنماتِ روزگار''، ''خوش خلق و نیک خودیارباش'' ایسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں ''تاحال مثلِ اُودَرہندوستان جنت نشاں کسے برنہ خاستہ''[۷]

حکیم ابوالقاسم میرقدرت اللہ قاسمؔ ''مجموعۂ نغز'' میں سوداؔ کا شمار اساتذۂ سخن میں کرتے ہیں۔ اُن سے متعددسخن وروں نے اکتسابِ فیض کیا۔ قاسمؔ نے سوداؔ کو ''کابلی الاصل'' کہا ہے۔ اُن کے سلسلۂ تلمذ کے ذیل میں سراج الدین علی خان آرزو اور شیخ ظہور الدین خاتم کے نام لیے۔ حاتم کے الفاظ میں سودا: شاعرے بود فصاحت بیان، شیریں مقال، بلاغت نشان، عدیم المثال معنی یاب فصاحت آئین نکتہ پیرابلاغت آگیں فارس میدان سخنو[ر] {ر} شہسوار مضمار ہنرگستری عندلیب خوش نوائے گلستان سخن طرازی بلبل [و]بستان سرائے بوستان نکتہ پردازی قادر ہرگونہ سخن ماہر بیشر لے از اصولِ فن''[۸]

قاسم نے محمد بقا اکبرآبادی و فدوی پنجابی اور ضاحک دہلوی کے حوالے سے لکھی گئی ہجویاتِ سوداؔ کا ذکر کیا ہے۔ قاسم نے سوداؔ کی تعریف میں بڑی اہم بات کی ہے: دیگر سخن پردازان براں، اقرار گرفتہ کہ خلاّق علی الاطلاق جلّ شانہ وعظم برہانہ عدیلش در ہندی زبان تاالیوم درکارگاہِ ہستی کم تر آفریدہ واحدے از اربابِ سخن در نوع از انواع سخن بوے نرسانیدہ''[۹]

غلام ہمدانی مصحفیؔ نے ''تذکرہ ہندی'' میں سوداؔ کے لیے شیر بیشۂ سخن دانی، مردمیدانِ پہلوانی ایسے الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مرزا محمد رفیع المتخلص بہ سوداؔ پسر مرزا محمد شفیع کابلی کہ درعصرِ خویش سرآمد شعرائے ریختہ گوگزشتہ، بعضے اُو را دریں فن بہ ملک الشعرائی پرستش می کنند بعضی بہ سب دریافتِ اغلاطِ صریح وتوارد صاف در بعضے اشعارش بہ جہل وسرقہ اش نیز نسبت می دہند، غرض ہر چہ بود در روانی طبع نظیر خود نداشت''[۹]

مصحفیؔ نے محاسن کلام سوداؔ کو سراہتے ہوئے لکھا ہے:

''غزل ہائے آب دار وقصیدہ ہائے سحرکار و ہجومثنوی ہائے متعددہ وغیرہ ہم نگاشتہ، خامۂ خیالش برصفحۂ روزگار یادگاراست۔ دیوانش بہ فرنگ و صفاہان رسیدہ، دیگرے ایں شہرت درخواب ندیدہ۔ اگر درمثال ہندیِ اشعارِ غزل صائب وقتش گویم بجا است و اگر درعلوِ مراتبِ معانی ابیاتِ قصیدۂ خاقانی گویم روا، نقاشِ اوّل نظم قصیدہ در زبانِ ریختہ اوست''[۱۰]

مصحفی نے نواب شجاع الدولہ کے عہد میں سوداؔ سے اپنی ایک ملاقات کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ انھیں کُتے (سگانِ ابریشم پشم شوق تمام داست) پالنے کا شوق تھا۔ علم موسیقی سے شغف رکھتے تھے۔ مصحفیؔ نے اس (جامع الکمات) شخص کے لکھنؤ میں انتقال اور امام باڑۂ آقاباقر میں تدفین اور ماہِ محرم میں زیارت کے بارے میں بتایا ہے۔ مصحفیؔ نے سوداؔ کے قطعہ تاریخِ وفات بھی شامل تذکرہ کیا ہے:

مرزا رفیعؔ آنکہ ز اشعار ہندیش — ہر گوشہ بود در ہمہ ہندوستان غُلو
ناگہ چُو در نوشت بساطِ حیات را — گردید مدفنش ز قضا خاکِ لکھنؤ
تاریخِ رحلتش بدر آورد مصحفیؔ — سودا کجا و آں سخن دِل فریب اُو [۱۱]

اسی طرح مصحفیؔ نے عقدِ ثریا (تذکرہ فارسی گویاں) میں بھی سوداؔ کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اولاً یہ بتایا گیا ہے کہ سوداؔ ''ابتدائے شوقِ شعرِ ہندی'' میں سلیمانؔ قلی خاں اور شاہ حاتمؔ کے شاگرد رہے۔ اوّل الذکر اس بات پر فخر کا اظہار کرتے تھے کہ سوداؔ اُن کے شاگرد ہیں اس فخر کا اظہار اپنے دیوان میں بھی کیا ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سوداؔ زیادہ وقت امرا کی صحبت میں گزارنا پسند کرتے تھے۔ مصحفیؔ لکھتے ہیں:

''اگرچہ مردِ کم علم بود امّا ذکاوت و روانیٔ طبعش ازکلامش پیداست درزبانِ ریختہ علم یکتائی برافراشتہ و ہمیشہ باامرا صحبت داشتہ، قصائد وغزلے در جوابِ بعضے قصائد عرفی تصنیف نمودہ و ماسوائے ایں درگفتنِ ہجو ہا قدرت شاعری خود را

نمودہ۔غرضیکہ ہمہ باتفاق بسببِ شہرتِ بسیار وخوبیٔ کلام اُستادِ مسلّم الثبوتش میدا نندوالحق کہ چنیں نامش درہندوستان دردزبان بازاریاں وغزلیات دیوانش بہراطراف و جوانب و ہر جاہل و اُمّی رابرزبان۔۔۔''[۱۲]

سوداؔ کی فارسی شاعری کے بارے میں مصحفیؔ نے بتایا ہے:

''بااِیں ہمہ شہرت کے دررِیختہ نصیبتش بود آخر آخر عنانِ شعر فارسی ہم سربیدردرابدرد آورد، اگرچہ ایں حرکت مناسب ِشانش نبود۔غزل ہائے فارسی خودنیز کہ درلکھنؤ گفتہ داخل دیوان ریختہ بقیدردیف ساختہ وایں ایجاد اوست''[۱۳]

قدرت اللہ شوق کے ''تذکرہ طبقات الشعرا'' میں شعرا کو زبانی اعتبار سے طبقات میں منقسم کیا گیا ہے۔سوداؔ کا نام طبقہ سوم (درذکر شعرائے متاخرین و بعضے نومشقان دیگر) میں شامل ہے۔شوق نے ۷۰ کے قریب غزلوں کے منتخب اشعار، چاررُباعیوں، ۶ مخمسوں، دوسوسے زیادہ قصیدوں (بشمول ہجویات) کے اشعار اور ۹۰ سے زیادہ مثنویوں سے اشعار منتخب کیے ہیں۔قدرت اللہ شوق نے سوداؔ کے تعارف کا روایتی انداز اپنانے کے بجائے منتخبہ اشعار کا فنی جائزہ لیا ہے۔شوق نے سوداؔ کے جن اشعار کے بارے میں اپنا مؤقف ظاہر کیا ہے۔ یہاں اس کا اندراج دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:

پہلی مثال:

عاشق تو نامراد ہیں پر اس قدر کہ ہم
دِل کو گنوا کے بیٹھ رہے صبر کر کے ہم

''اگرچہ قافیہ مصرعہ اخیردر ظاہر مائل بہ نقصان است، چرا کہ مدار قافیہ در تمام غزل برکاف بیانیہ است ودریں مصرع کاف مرکب بہ پا است فاما درتلفظ یکساں است شاید کہ شاعر مذکور بہمیں لحاظ جائزداشت۔''[۱۴]

دوسری مثال:

دِل نے کہا یہ مجھ سے کہ میں کیا کروں نثار
آویں اگر جو حضرت سوداؔ اِدھر کہیں
انکشری کے گھر کی طرح غیرِ سنگ وخشت
گھر میں تو خاک بھی آتی نہیں نظر

''قطعہ نہایت مربوط و مضبوط است فامّا درمصرعۂ ثانی بیت اوّل دوکلمہ شرط جمع شدہ، یکے زائدہ است، واللہ اعلم۔''[۱۵]

تیسری مثال:

یہ تو نہیں کہتا ہوں کہ سچ مچ کرو الطاف
جھوٹی ہی تسلّی ہو تو ضائع تو نہ ہوں میں

''معنی لفظ ''مُچ'' کہ دریں شعر واقع شدہ در فہمیدنمی آید، پس معلوم شد کہ لفظ مہمل کہ درہندوستان بہ وزن ہر لفظ دراستعمال می آرند درشعر موزوں شدن مضائقہ نہ دارد، وقتے کہ دَرشعر اُستاداں واقع شد، پس عوام را سند است۔''[۱۶]

چوتھی مثال: غنچے کو مسکرا کے اُسے زار کر چلے
نرگس کو آنکھ مار کے بیمار کر چلے

''مطلع نہایت مربوط، امّا در فہمیداین نافہم لفظ ''اُسے'' کہ درمصرعۂ اوّل واقع است، بیکارمحض معلوم می شود۔ واللہ اعلم۔''[۱۷]

نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ نے ''گلشنِ بے خار'' میں سوؔدا کی شاعری کے محاسن بیان کرنے میں بجاطور پر فیاضی سے کام لیا ہے۔ ان کی رائے میں کلامِ سوؔدا میں شوخی بھی پائی جاتی ہے اور معشوقوں کے شیریں لبوں کا رس بھی ملتا ہے۔ ان کا تخیل چشمۂ بہشت سے مستعار لیا گیا ہے جس کے پھول انھوں نے اپنے ہاتھوں سے چُنے ہیں۔ شیفتہ نے سوؔدا کی شاعری کو ''شراب اثر'' اور نورِقلب کوسورج کی روشنی کے مماثل قرار دیا ہے وہ سورج جسے گہن نہیں لگتا۔ شیفتہ نے سوؔدا کی غزل اور قصیدہ کے حوالے سے بہت بامعنی رائے دی ہے:

''۔۔۔آں کہ بین الانام شہرت پذیراست کہ قصیدہ اش بہ از غزل است، حرفیست مہمل۔ بہ زُعم فقیر غزلش بہ از قصیدہ است وقصیدہ اش بہ از غزل اگر گوئی کہ غزل از اشعارِ پُرکن مملواست وقصیدہ ازاں خالی، زیادہ ازیں چہ تواں گفت کہ قباحتِ ایں تحقیق برنظارگیانِ دیوانش حالی و دخلۃ السرآن است کہ قدمارا فصحائے متاخریں پیرامونِ خاطروجاگزینِ دِل نہ ایں بود کہ ہرشعر دِل پذیرآید و ہربیت خاطرنشیں۔ لہٰذا درکلام ایناں رقص الجمل واقع شدہ، چہ درقصیدہ و چہ درغزل۔۔۔''[۱۸]

شیفتہ نے سوؔدا کی مثنوی کو رُتبہ میں کم تر اور ہجووں کو رکیک قرار دیا ہے۔ ''گلشن بے خار'' میں سوؔدا کی غزلوں اور قطعوں کے ۸۷/اشعار بطورنمونہ نقل کیے گئے ہیں۔

مولانامحمد حسین آزاؔد نے ''آبِ حیات'' میں سوؔدا کا بڑی تفصیل سے ذِکر کیا ہے۔ بیش تر معلومات و اطلاعات وہی ہیں جو ماقبل تذکرہ نگارفراہم کر چکے ہیں۔ سوؔدا کوسلیماؔن قلی خاں دواؔر اور شاہ حاتؔم کا شاگرد بتایا گیا۔ آزاد لکھتے ہیں سوؔدا خانِ آرزو کے شاگرد نہ تھے۔ مگر اُن کی صحبت سے بہت فائدے حاصل کیے۔ چنانچہ پہلے فارسی شعرکہا کرتے تھے۔ خانِ آرزو نے کہا کہ مرزا، فارسی اب تمھاری زبان مادری نہیں، اِس میں ایسے نہیں ہو سکتے کہ تمھارا کلام اہلِ زبان کے مقابل میں قابلِ تعریف ہو، طبع موزوں ہے، شعر سے نہایت مناسبت رکھتی ہے، تم اُردو کہا کروتو یکتائے زمانہ ہو گے۔[۱۹]

مرزارفیع سوؔدا نے خانِ آرزو کی رائے پرعمل کیا اور اُردو شاعری میں اپنے خداداد صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور ان کا شمار صفِ اوّل کے شعرا میں ہونے لگا اور پھر یہ ہوا کہ حاکمِ وقت (شاہ عالم بادشاہ) نے اُن سے اصلاح لینے کی خواہش ظاہر کی۔۔۔ آزاد نے سوؔدا کا دِلّی کو چھوڑ کر فرخ آباداور وہاں سے لکھنؤ جانے کے محرکات کا بھی جائزہ لیا ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اپنی اُفتادِطبع کے باعث نوابوں سے ان کی بنتی نہیں تھی۔ مرزا فاخرمکیں سے چپقلش کے اسباب پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ آزاؔد نے اُن اصنافِ سخن کا ذِکر بھی کیا ہے، جن میں سوؔدا نے طبع آزمائی کی۔ آزاد کہتے ہیں: غزلیں اُردو میں پہلے سے بھی لوگ کہہ رہے تھے مگر دوسرے طبقے تک اگر شعراء نے کچھ مدح میں کہا ہے تو ایسا ہے کہ اسے قصیدہ نہیں کہہ سکتے۔ بس اوّل قصائد کا کہنا اور پھر دھوم دھام سے اعلیٰ

درجۂ فصاحت و بلاغت پر پہنچانا اُن کا فخر ہے۔ وہ اس میدان میں فارسی کے نامی شہسواروں کے ساتھ عناں در عناں ہی نہیں گئے بلکہ اکثر میدانوں میں آگے نکل گئے۔ ان کے کلام کا زورشور انوری اور خاقانی کو دباتا ہے اور نزاکتِ مضمون میں عرفی وظہوری کو شرماتا ہے۔[۲۰]

''دیوانِ ریختہ وقت کی زبان سے قطع نظر کر کے، بااعتبارِ جوہر کے سرتاپا مرصع ہے۔ بہت سی غزلیں دلچسپ اور دِل پسندوبحروں میں ہیں کہ اس وقت تک اُردو میں نہیں آئی تھیں، زمینیں سنگلاخ ہیں اور ردیف قافیے بہت مشکل مگر جس پہلو سے انھیں جما دیا ہے ایسے جمے ہیں کہ دوسرے پہلو سے کوئی بٹھائے تو تمھیں معلوم ہو۔''[۲۱]

گرمیٔ کلام کے ساتھ ظرافت جو اُن کی زبان سے ٹپکتی ہے، اُس سے صاف ظاہر ہے کہ بڑھاپے تک شوخی طفلانہ اُن کے مزاج میں اُمنگ دِکھاتی تھی۔ مگر ہجووں کا مجموعہ جو کلیات میں ہے اُس کا ورق ورق سننے والوں کے لیے زعفران زارِ کشمیر کی کیاریاں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت کی شگفتگی اور زندہ دِلی کسی طرح کے فکروتردّد کو پاس نہ آنے دیتی تھی۔ گرمی اور مزاج کی تیزی بجلی کا حکم رکھتی تھی اور شدّت کے ساتھ کہ نہ کوئی انعام اسے بجھا سکتا ہے نہ کوئی خطرہ اسے دبا سکتا ہے۔[۲۲]

عربی اور فارسی دو ذخیرہ دار اُردو کے ہیں۔ اُن کے خزانے ہجووں کے تھیلے بھرے ہیں مگر اس تک اُردو کے شاعر صرف ایک دوشعروں میں دِل کا غبار نکال لیتے تھے۔ یہ طرزِ خاص کہ جس سے ہجو ایک موٹا ٹہنا اس باغِ شاعری کا ہوگئی۔ انھی کی خوبیاں ہیں۔ عالم، جاہل، فقیر، امیر، نیک، بد کسی کی داڑھی اُن کے ہاتھ سے نہیں بچی، اس طرح پیچھے پڑتے تھے کہ انسان جان سے بیزار ہو جاتا تھا۔۔۔ مرزا نے جو کچھ کہا بچے بچے کی زبان پر ہے۔''[۲۳]

محمد حسین آزاد نے سوداؔ کی مثنویوں، مراثی اور نثر کو رُتبے میں کم تر قرار دیا ہے اور بے لاگ رائے دی ہے۔ سوداؔ نے میرومرزا کے فنی کمالات کا اعتراف کرتے ہوئے ''مکابرہ'' کی صورت پیدا کر دی ہے۔ اندازِتحریر ملاحظہ ہو: میرصاحب کی طبیعت قدرتی دردخیز اور دِل حسرت انگیز تھا کہ غزل کی جان ہے۔ اس لیے اُن کی غزلیں ہی ہیں اور خاص خاص بحوروقوافی میں ہیں۔ مرزا کی طبیعت ہمہ رنگ اور ہمہ گیر، ذہن برّاق اور زبان مشّاق رکھتے تھے۔ توسنِ فکر اُن کا منہ زور گھوڑے کی طرح جس طرف جاتا تھا رُک نہ سکتا تھا۔ کوئی بحر اور کوئی قافیہ اُن کے ہاتھ آئے تغزل کی خصوصیت نہیں رہتی تھی۔ جس پر برجستہ مضمون بندھ جائے یا بندھ لیتے تھے۔ بے شک ان کی غزلوں کے بھی اکثر شعر چُستی اور درستی میں قصیدے کا رنگ دِکھاتے ہیں۔[۲۴] سوداؔ کے مزاج اور فن کے بارے میں آزاد نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آزاد ''میرؔ'' کے بجائے ''سوداؔ'' دکھائی دیتے ہیں۔

نصراللہ خاں خویشگی بھی سوداؔ کے قدرداں دکھائی دیتے ہیں۔ اپنے ممدوح کو وہ سرخیلِ سخن وراں نامی سردفتر شعرائے گرامی، شاہ بازاوج برتری سخن شاہین بلندپرواز سپہرایں فن۔ بلبل ترانہ سخن چمنستان نازک خیالی، خوش بیاں، عندلیبِ چمن رنگین مقالی بانی مبانی سخن دانی۔ طراح مضامین و معانی، میرخوش بیانی علم یکتائی دروادیٔ دانائی افراختہ وشہرہ فکرت درشش جہت ایں فن انداختہ طبعش چوں ناز دِلبراں حلاوت انگیز۔ کلامش چوں چاشنی نوشیں لباں شکرریز بہ طرزش موزوں نقاشِ اوّل است و بہ طراوش اشعار لطافت مشحون بے دِل جنس اشعار او درچار سوئے سخن گراں مایہ و بالعل آب دار در آب و رنگ۔[۲۵]

نصراللہ خاں خویشگی نے سوداؔ کی مثنوی کی تعریف کی ہے۔ ان کی رائے میں:

''ازاں زماں تایں زماں بل تا بہ قیامت مثلش درانشائے مثنوی عدیم الوجود است و خواہد بود اگر چہ توجہ اش بآں کم باشد، فامّا عدم توجہ دال برفکر معقول نہ بودن۔۔۔''[۲۶]

اِس ذیل میں نصراللہ خاں خویشگی شیفتہ کی رائے سے اختلاف کرتے ہیں کہ سوداؔ مثنوی میں ''فکرِ معقول'' نہیں رکھتے تھے۔

مولانا حکیم سیّد عبدالحئی ''تذکرۂ شعرائے اُردو موسوم بہ گُلِ رعنا'' میں شعرا کے تراجم کا آغاز ماقبل تذکرہ نگاروں کے منتخب اقتباسات سے کرتے ہیں۔ سوداؔ کے لیے انھوں نے ''نکات الشعراء''، ''تذکرہ طبقات الشعراء'' اور ''تذکرہ گلشنِ بے خار'' سے اقتباسات شاملِ تذکرہ کیے ہیں۔ حکیم صاحب نے سودا کی ولادت، والدِ گرامی مرزا محمد شفیع کی ''بہ طریقِ تجارت'' ہندوستان آمد، سخن گوئی میں اولاً سلیمان قلی خاں اور بعدازاں شاہ حاتم سے تلمذ اور اُستادانہ حیثیت حاصل کرنا (کثرتِ مشق نے اُس میں جلا دی، اُستاد کی زندگی ہی میں اُن کی اُستاد کو خاص و عام نے مان لیا اور اُن کی غزلیں گھر گھر ہر ایک کی زبان پر چڑھ گئیں: گلِ رعنا، ص ۱۳۷) شاہ عالم بادشاہ کا شاگردی اختیار کرنا، ایسے واقعات کی جانب اِشارے کیے ہیں۔ مولانا حکیم سیّد عبدالحئی نے دِلّی کے حالات بگڑے پر سوداؔ کا پہلے فرخ آباد اور بعدازاں فیض آباد اور پھر لکھنؤ جانے کا ذِکر کیا ہے۔ اِس دوران میں انھیں مہربان خان اور شجاع الدولہ کی سرپرستی حاصل رہی۔

صاحبِ ''گلِ رعنا'' نے مولانا محمد حسین آزاد نے اختلافِ رائے کیا ہے، لکھتے ہیں: آزاد نے دِلّی کے قدردانوں میں بسنت خاں کے ساتھ مہربان خاں کا نام بھی لیا ہے، وہاں بھی کوئی مہربان خاں ہو تو مجھے اِس سے کچھ بحث نہیں مگر کلیات میں جہاں جہاں مہربان خان کا نام آیا ہے، اس سے مراد مہربان خان رِنْد ہیں، جو فرخ آباد میں دیوان تھے۔[۲۷]

حکیم صاحب نے سوداؔ کے فنِ شاعری میں اُستاد مسلّم الثبوت ہونے کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے ان کی خوبیوں کو سراہا ہے۔ خاص طور پر ہجو میں اُن کے زورِ کلام کے بارے میں یہ رائے ملاحظہ ہو:

''مرزا ہجو کے بادشاہ تھے، قصیدہ، غزل، قطعہ، رُباعی، مخمس، مسدس، ترجیع بند، مثنوی غرض کہ کوئی صنف اصنافِ سخن سے نہیں چُھوٹی، جس میں انھوں نے اپنے دِل کا بخار نکالا ہو، یوں تو بہت کم لوگ اُن کی شرر باری سے بچے ہوں گے، مگر مکینؔ، ندرتؔ، فدویؔ، مولوی ساجدؔ اور میر ضاحکؔ کی جیسی مٹی پلید کی ہے، وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، یہ تمام ہجویں اُن کے کلیات میں موقع موقع سے شامل ہیں، اُن کو یک جا کرو تو خاصا زعفران کا کھیت نظر آئے گا جس کے دیکھنے سے ہنستے ہنستے پیٹ میں بَل پڑ جائیں گے۔ اِن ہجووں کے پڑھنے سے جو خاص قسم کا اثر دِل پر پڑتا ہے وہ اُن کی قادرالکلامی اور گرمیٔ کلام کے زور کا ہوتا ہے۔ قصیدوں میں وہ واقعات کو اس بے تکلفی اور سادگی سے نظم کرتے ہیں کہ دوسرا شخص مثنوی میں بھی اس طرح سے نظم نہیں کر سکتا۔''[۲۸]

''گلِ رعنا'' میں شہرآشوب کے عنوان کے تحت ۴۹، تضحیکِ روزگار ہجو اسپ بخیل کے عنوان کے تحت ۴۸، اشعار نقل کیے گئے ہیں۔ جب کہ غزلوں کے ۶۵ ر اشعار اور ایک رُباعی شامل ہے۔ ''تذکرہ نادر'' میں سوداؔ کا تعارف دوسرے تذکروں کے مقابلے میں مختصر ترین ہے۔ مرتبِ تذکرہ نے مسعود حسن رضوی ادیب نے نادرؔ کو شاگردِ شیخ ناسخؔ بتایا ہے۔ نادرؔ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''ملک الشعراء، عمدۃ الفصحا، مرزا محمد رفیع خلف مرزا محمد شفیع دہلوی صاحب دیوان و قصائد و ہجویات، شاگرد شیخ ظہورالدین عرف شاہ حاتم''[۲۹]

حکیم سیّد احمد علی خاں یکتا نے ''دستورالفصاحت'' کے اوّلیں حصہ کو تین طبقوں میں منقسم کیا ہے۔''اوّل از طبقہ اولیٰ'' ے زیرِعنوان سودا کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ دوسرے میں میرتقی میر اور تیسرے طبقہ میں خواجہ میردرد کا ذِکر کیا گیا ہے۔ یکتا نے سودا کے لیے ''چمن آرای حدیقۂ فصاحت، نخل پیرای گلشن بلاغت، آب و رنگ بوستانِ سخن دانی، بلبل خوش لہجۂ گلزارِ معانی، امیرفصحا، سرحلقۂ ظرفاوبلغا، ملک الشعرا'' ایسے القاب سے یاد کیا ہے۔ یکتا نے یہ بھی بتایا کہ سودا کی آواز اور اُستادی کی شہرت چہارسو پھیلی ہوئی تھی۔ یہ کہ وہ ایک مسلّم الثبوت شاعر تھے۔ یہ کہ سودا کی غزل پاکیزگی و ملاحت کا عمدہ نمونہ ہے۔ صائب ہوتے تو داد دیتے۔ یہ کہ ان کی قصیدہ گوئی متانت وعلو کے رُتبہ کو پہنچی ہوئی ہے۔ عرفی یہ قصیدے پڑھتے تو اپنا سر، سودا کے قدموں میں رکھ دیتے۔ یہ کہ سودا کی مدح ومنقبت، سلمان اور ظہوری کے مقابل لائی جا سکتی ہے۔ اور اگر سودا کی ہجوومذمت کا ذِکر کیا جائے تو انوری اور شفائی کی ہزلیات کو شرماتی ہیں۔ یکتا اپنے ممدوح کی ریختہ گوئی میں اُردوئے معلّی کی موجودگی کی اطلاع دیتے ہیں۔ اُن کی رائے میں تمام اُردوشعرا کی گردن پر سودا کے احسانات ہیں۔ فکرِسودا کے اوصاف وکمالات بے عدیل ہیں۔ یکتا نے سودا کی وفات کے ذیل میں قطعہ تاریخ وفات بھی شامِل تذکرہ کیا ہے۔[۳۰]

''تذکرہ گلشنِ ہند'' (ازمیرزا علی لطف)، علی ابراہیم خاں کے فارسی ''تذکرہ گلزاراِبراہیم'' کا اُردو ترجمہ ہے جس میں میرزا علی لطف نے کچھ اضافے کر دیے ہیں۔ اس تذکرہ میں سودا کو اُن کی جدتِ طبع اور تخیل کی بلندی کی بنا پر خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ میرزا علی لطف کے ترجمے کے الفاظ ہیں کہ میرزائے مذکور سرحلقۂ سخن وراں اور سرآمدِ معنی گستراں تھے۔ آشنائے معنی بیگانہ اور مضمون تازہ کے پیدا کرنے میں یگانہ تھے۔ اقسامِ نظم سے دیوان اس مطلع دیوان سحر بیاں کا بھرا ہے اور انواعِ نظم کو کیا کیا زوروشور کے ساتھ بیان کیا ہے۔ خصوصاً طرزِقصیدہ کو کس صفائی اور تکلف سے ادا کر کے اس طاقِ بلند پر رکھا کہ دستِ وہم نازک خیالان ہندستان کا اس کے خیال تک نہ جا سکا، آگ کو یاد میں اُس آتش زبان کے ہجومِ شرار سے جوشِ قطراتِ عرقِ انفعال ہے اور پانی کو خجالت سے اس طبعِ رواں کی خاک میں چھپنے کا زبان ہندی شرفِ ہم زبانی سے اس کی سرفراز، اورنظم ریختہ کو طبع معنی آفریں پر اس کے گھمنڈ اور ناز''[۳۱]

نادر نے سودا کے پانچ اشعار منتخب کیے ہیں۔

محولہ بالا تمام آراء کی روشنی میں اِس نتیجہ پر پہنچنا مشکل نہیں رہا کہ معاصرومابعد تذکرہ نگار اُنھیں قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے اور اُنھیں اُستادانہ درجہ دیتے ہیں۔ سودا نے جن اصناف میں سخن وری کے جوہر دِکھائے ان کے محاسن وعیوب پر بھی کھل کر اظہار کیا گیا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سودا کی شخصیت اور فکروفن پر لکھتے ہوئے تذکرہ نگار کسی قسم کا دباؤ محسوس نہیں کر رہے تھے۔ کسی نے انھیں اچھا غزل گو کہا ہے تو کسی نے انھیں اُردو کا بہترین قصیدہ نگار قرار دیا ہے۔ کسی نے مثنوی میں سودا کو ایک ناکام شاعر کہا ہے تو کسی نے ہجوگوئی میں انھیں عدیم النظیر قرار دیا ہے۔

مرزامحمد رفیع سودا بلاشبہ ایک مسلّمہ اُستاد تھے۔ انھوں نے اپنے تلامذہ کی تربیت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ نیز

معاصرین کے ساتھ ساتھ مابعد شعرا پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ مرزا اسداللہ خاں غالبؔ تو سوداؔ سے بہت متاثر تھے۔ کلاسیکی اُردو شاعری نے جس قدر ترقی کی اس سلسلے میں سوداؔ کی کاوش کو ہرگز نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ میر تقی میر، نکات الشعرا، مرتبہ: مولوی عبدالحق، اورنگ آباد، دکن: انجمن ترقیٔ اُردو، بار دوم، ۱۹۳۵ء، ص ۳۱

۲۔ ایضاً، ص ۳۱

۳۔ سوداؔ کی شان میں قائم کے لکھے ہوئے قصیدہ کا عنوان ہے:

یہ قصیدہ کلیات قائم کی دوسری جلد (ص۱۶۔۱۱۳) میں شامل ہے۔ کلیات کے مرتب ڈاکٹر اقتدا حسن ہیں۔ یہ کلیات ۱۹۶۵ء (پہلی بار) میں مجلس ترقیٔ ادب، لاہور کے زیرِ اہتمام زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی۔

۴۔ قائم چاند پوری، تذکرہ مخزنِ نکات، مرتبہ: ڈاکٹر اقتدا حسن، لاہور: مجلس ترقیٔ ادب، بار اوّل، ۱۹۶۶ء، ص ۸۶

۵۔ فتح علی حسینی گردیزی، تذکرہ ریختہ گویاں، مرتبہ: مولوی عبدالحق، اورنگ آباد، دکن: انجمن ترقیٔ اُردو، بار اوّل، ۱۹۳۳ء، ص ۲۷

۶۔ میر حسن، تذکرہ شعرائے اُردو، بہ تصحیح وتنقید: مولانا محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی، دہلی: انجمن ترقیٔ اُردو، طبع جدید، ۱۹۴۰ء، ص ۸۳۔۸۲

۷۔ ایضاً، ص ۸۳

۸۔ قاسم، قدرت اللہ، میر، مجموعہ نغز، مرتبہ: حافظ محمود شیرانی، لاہور: سلسلۂ نشریات کلیہ پنجاب، ۱۹۳۳ء، ص ۳۰۴

۹۔ ایضاً، ص ۳۰۵

۱۰۔ مصحفی، غلام ہمدانی، تذکرہ ہندی، مرتبہ: مولوی عبدالحق، اورنگ آباد، دکن: انجمن ترقیٔ اُردو، طبع اوّل، ۱۹۳۳ء، ص ۱۲۵

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۲۵

یہ قطعۂ تاریخ، سوداؔ کی قبر پر کندہ میر فخرالدین ماہر کا قطعہ پڑھنے کے بعد کہا۔ ماہرؔ کے قطعہ کے بارے میں مصحفی کی رائے یہ ہے:

''چوں تعمیۂ ایں تاریخ خلافِ قانونِ مورخاں بود'' (تذکرہ ہندی، ص ۱۲۶)

اس کے بعد اپنے قطعۂ وفات کے محرکات کے بارے میں بتایا ہے:

''دَرخیال فقیر گزشت کہ چنیں شخص را تاریخ گوئے بایست آخر ہماں روز از تائیدِ فیضِ ربانی تاریخِ وفات آں مرحوم ومغفور بے کم و کاست از خامۂ خیال سحر کارِ مؤلف بیروں تراویدہ و از غایتِ انبساط و سرور کہ ازموزونی ایں مصرعہ فصیحہ مادہ تاریخ کہ کاملانِ ایں فن رابدشواری دست دید خود طبیعت خود راز ہار آفریں گفتہ، آرے تاریخ چنیں شخص چنیں می باید۔۔۔'' (تذکرہ ہندی، ص ۱۲۶)

۱۲۔ مصحفی، غلام ہمدانی، عقدِ ثریا (تذکرہ فارسی گویاں)، مرتبہ: مولوی عبدالحق، کراچی انجمن ترقیٔ اُردو، طبع دوم، ۱۹۷۸ء، ص ۶۷

۱۳۔ ایضاً، ص ۶۷

۱۴۔ شوق، قدرت اللہ، تذکرہ طبقات الشعرا، مرتبہ: نثار احمد فاروقی، لاہور: مجلس ترقیٔ ادب، بار اوّل، ۱۹۶۸ء، ص ۱۲۶

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۲۷

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۲۹

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۳۶

۱۸۔ شیفتہ، محمد مصطفٰے خاں، تذکرہ گلشنِ بے خار، مرتبہ: کلب خاں فائق، لاہور: مجلسِ ترقیٔ ادب، بار اوّل، ۱۹۷۳ء، ص ۴۵۔۲۴۴

۱۹۔ آزاد، محمد حسین، مولانا، آبِ حیات، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ت۔ن، ص ۱۳۰

۲۰۔ ایضاً، ص ۱۳۰

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۳۰

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۳۰

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۳۱

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۳۹

۲۵۔ نصر اللہ خاں خویشگی، گلشن ہمیشہ بہار، مرتبہ: ڈاکٹر اسلم فرخی، کراچی: انجمن ترقیٔ اُردو، بار اوّل، ۱۹۶۷ء، ص ۱۷۷

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۷۷

ڈاکٹر اسلم فرخی نے حاشیہ میں ''گلشن بے خار'' سے شیفتہ کی رائے نقل کی ہے ''مرزا از اقسامِ شاعری در مثنوی فکر معقول نہ داشت''

(گلشن بے خار، ص)

شیفتہ اور نصر اللہ خاں خویشگی کی محولہ بالا آراء کے تناظر میں لکھا ہے کہ'' شیفتہ کی اس رائے سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے لیکن یہ کہنا کہ سوداؔ مثنوی میں عدیم الوجود ہیں، محض مبالغہ ہے۔ جسے کسی طرح بھی دُرست تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔''

(ڈاکٹر اسلم فرخی، حاشیہ، گلشن ہمیشہ بہار، ص ۱۷۷)

۲۷۔ عبدالحئی، سیّد، حکیم مولانا، تذکرہ شعرائے اُردو موسوم بہ گُلِ رعنا، اعظم گڑھ: مطبع معارف، طبع چہارم، ۱۳۷۰ھ، ص ۱۳۹

۲۸۔ ایضاً، ص ۱۳۹

۲۹۔ نادر اکلب حسین خاں، میرزا، تذکرہ نادر، مرتبہ: سیّد مسعود حسن رضوی ادیب، لکھنؤ: کتاب نگر، ۱۹۵۷ء، ص ۸۳

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے'' نئے پرانے خیالات'' میں بتایا ہے کہ سوداؔ کا بخوبی مطالعہ کیے بغیر غالب کا مطالعہ مکمل نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر صاحب نے سوداؔ اور غالبؔ کے کلام میں مشترکہ خصوصیات بھی تلاش کی ہیں اور اس کے دو اسباب بیان کیے ہیں:

۱۔ دونوں بیدل کے مداح ہیں اور بیدل کی اکثر علامتیں دونوں میں موجود ہیں۔ خار، آبلہ، رفتار، برق، منزل، بیاباں، آئینہ، ساحل، تشنگی، سراب، موج، محیط اور اس طرح کے بے شمار الفاظ و تراکیب کے اشتراک کی ایک بڑی وجہ یہی ہے۔

۲۔ دوسرا بڑا سبب دونوں کا بہت حد تک ہم مزاج ہونا ہے۔ دونوں کو ورثے میں انانیت، احساسِ تفاخر، سپاہیانہ اکڑ اور امارت کی خُو بُو ملی تھی۔ سوداؔ اپنے زمانے کے اساتذہ کو کم ہی خاطر میں لاتے تھے، غالب کی رائے بھی اپنے معاصرین کے بارے میں اچھی نہ تھی، بے اولادی کا غم بھی دونوں کے ہاں موجود ہے۔ بعض موضوعات اور تصاویر میں مماثلت کی وجہ یہی ہے۔''

(محمد زکریا، خواجہ، نئے پرانے خیالات، لاہور: لاہور اکیڈمی، ۱۹۷۰ء، ص ۵۴۔۴۶)

۳۰۔ یکتا، احد علی، دستور الفصاحت، مرتبہ: امتیاز علی خاں عرشی، رام پور: ہندوستان پریس، ۱۹۴۳ء، ص ۱۴

۳۱۔ علی لطف، میرزا، تذکرہ گلشنِ ہند، مرتبہ: عبداللہ خاں، لاہور: دارالاشاعت پنجاب، ۱۹۰۶ء، ص ۱۴۲۔۱۴۱